میرا آج اور تمہارا کل

راجہ نعمان (سابق قادیانی)

جناب راجہ نعمان ایک سابق قادیانی نوجوان ہیں۔انھیں قادیانی سربراہ مرزا مسرور احمد کی قربت حاصل رہی ہے۔وہ قادیانی نظام کے نہ صرف عینی شاہد بلکہ اس ظالمانہ نظام کے ستم رسیدہ بھی ہیں۔انہوں نے اپنی تحریر میں قادیانی عوام پر قادیانی رائل فیملی کے مسلط کردہ ظالمانہ ہتھکنڈوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک مکالماتی کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے۔جس سے قادیانی وڈیروں کے قادیانی عوام پر ظلم و درندگی کے واقعات کی مکمل داستان کا ایک ایک کردار بخوبی واضح ہوتا چلا جاتا ہے ۔درحقیقت یہ اہل اقتدار کے لیے دعوت فکر ہے کہ وہ مظلوم قادیانی عوام کے لیے عملی حکومتی اقدامات بروئے کار لائیں اور ان برطانوی خود کاشتہ خاندان کے درندوں سے اُن کی جان چھڑائیں۔ہمیں یقین ہے کہ اگر قادیانی عوام کو جانی اور معاشی تحفظ مل جائے تو اُس کی اکثریت بلا تاخیر اسلام قبول کرلے گی۔(ڈاکٹر محمد عمر فاروق)

ان چنیدہ افراد کے نام جو نظامتی راج میں ہر بار یہ کہہ کر ساتھیوں سے جدا ہوتے ہیں کہ اگر میں واپس نہ آیا تو سمجھ جانا کہ میں نے اپنا آج تمھارے روشن کل کی امید پر قربان کر دیا ہے مگر ایک روایت چھوڑ جاتے ہیں جو بار بار زندہ ہوتی رہتی ہے، جی ہاں ظالم حاکم کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنے کی روایت !اور وہ خود اصل دارالامان کو سدھار جاتے ہیں۔(راجہ نعمان)

رات کی تاریکی اپنے عروج پر تھی۔ظلمت کی بستی کا ہر فرد سویا پڑا تھا۔ایک بڑے درخت میں چند گِدھ جمع تھے۔ گوشت پر گوشت کھاتے جا رہے تھے۔ان گِدھوں کے چہروں پر سے پریشانی،غم وغصہ،اور وحشت صاف عیاں ہو رہی تھی۔اس ڈر سے کہ کہیں کوئی دوسرا گِدھ اُن کے گوشت پر جھپٹ نہ پڑے۔وہ آپس میں بات تک نہ کر رہے تھے۔ساتھ ہی وہ کسی کے منتظر لگ رہے تھے۔

اس بستی کے ایک ہال میں بھی کچھ لوگ جمع تھے۔کھڑکیوں پر دو دو پردے گرا کر باہر کے اندھیرے کو اندر کی روشنی سے دُور رکھا گیا تھا۔سب کو کسی بڑی ہستی کا انتظار تھا جو کہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔بے بسی میں انتظار کے چند پَل بھی صدیوں جتنے معلوم ہوتے ہیں۔گو کہ موقع محل کی مناسبت سے نظم کیسٹ پر چل رہی تھی،مگر ان کی سوچیں تو کہیں دور غوطہ زن تھیں۔قدموں کی آہٹ سے دھیان دوبارہ ہال میں آن پہنچا تو نظم کا یہ مصرع سنائی دیا:

خوشا نصیب کہ تم دارالاماں میں رہتے ہو

تیز قدموں کی چاپ بلند ہوئی اور دروازہ کھلا۔بڑے صاحب آ گئے تھے۔سب لوگ کھڑے ہو گئے۔بڑے صاحب کوئی بات کہے بنا ہی،اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئے جو کہ خادم نے پہلے ہی میز سے پیچھے کھینچ رکھی تھی۔اُدھر گِدھوں کا سردار بھی آ پہنچا تھا اور ساتھی گدھ بھی قریبی ٹہنیوں پر آ بیٹھے۔تا کہ اس اِکٹھ کی کارروائی شروع کی جا سکے۔

موٹے سے ایک صاحب بولے: جناب معاملہ اب برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔ آپ کے تو علم میں ہے ہی کہ پرسوں جب کھانا گاہ میں ہمارے ایک بھائی پر پرچہ کٹانے میں اِس شخص نے گواہیاں دلوائی تھیں۔

چوڑے سے بدن کے مالک ایک صاحب بولے: دیکھیں جی بچے کس کو پیارے نہیں لگتے۔ اگر ہمارے کسی بھائی نے کسی بچے سے تھوڑا پیار محبت کا سلوک کر ہی لیا تھا تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، مگر اِس شخص اور اِس کے گروپ نے تو بہیمیت کی انتہا کر دی اور انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے دنیا کی نظر میں انتہائی معیوب کن پرچہ کٹوا دیا۔ ایک تو ہم ویسے ہی مظلوم ہیں اور اوپر سے یہ ظلم! ملکی قانون تو پہلے ہی ہماری تاک میں رہتا ہے۔

تیسرے صاحب بولے: جی وہ تو حفاظت والوں نے فوراً اطلاع دی اور میں موقع پر پہنچ گیا، بچے اور اُس کے ورثا کو منا لیا۔ ورنہ یہ شخص اور اسکا گروپ تو ہمارے بھائی کو تھانے میں بند کروانے کے چکر میں تھا۔ اب کیا ہمارے عقائد کی تعلیم دینے والوں کا اتنا بھی مرتبہ نہیں ہے کہ اُنھیں تھانے سے اور ملکی قانون سے بچایا جائے۔ چوتھے صاحب بولے دیکھا : حفاظت والوں کا فائدہ، میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ حفاظت والے رکھنے چاہئیں مگر آپ اُس وقت سنتے ہی نہ تھے۔ تیسرے صاحب نے پھر کہا: ویسے بھی تو کون سا ہم ملکی قانون کو مانتے ہیں، اس لیے اگر کوئی ملکی قانون ٹوٹ بھی گیا تو یقیناً وہ قانون ہی غلط ہوگا۔

پہلے صاحب نے اپنا بیان پھر شروع کیا کہ جناب اِس گروپ نے پہلے بھی بہت سے ملکی اداروں کو خطوط لکھے تھے اور اُنھیں ہمارا حساب کتاب دیکھنے کی دعوت دی تھی، وہ تو آپ کے بھائی کا ہاتھ پڑتا تھا، اس لیے کہہ کہلا کر بچت ہوگئی ، ورنہ اگر واقعی آڈٹ ہو جاتا تو ہم بری طرح پھنس گئے ہوتے۔

پانچویں صاحب جنھوں نے ابھی نئی نئی ترقی حاصل کی تھی، بولے: آپ نے ایسی کونسی حرکت کی ہے جو پھنس جاتے۔ اس پر پہلے صاحب گڑبڑا گئے، فوراً دوسرے صاحب نے کہا: دیکھیں جی آپ کو تو پتا ہے کہ کبھی کبھار کلرک بابو غلطیاں کر جاتے ہیں اور اگر کوئی بات کا بتنگڑ بنانا چاہے تو اُسے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ اب پہلے صاحب نے میدان سنبھالا اور کہا: اگر کلرک غلطیاں نہ کریں تو کیا ساری عمر کلرک ہی رہیں؟

پانچویں صاحب بولے درست کہتے ہیں آپ۔ اب چھٹے صاحب کی باری آئی اور انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں بتایا کہ جناب میرے پاس کنفرم رپورٹس پہنچی ہیں کہ یہ شخص پہلے اکیلا تھا، پھر اسکے ساتھی بننے لگے اور اب یہ گروپ مزید پھیل رہا ہے۔ وہ تو میں نے بڑی جدوجہد کے بعد اپنے لوگوں کے غصہ کو ٹھنڈا کیا ہوا ہے، ورنہ اب تک کوئی واقعہ رونما ہو چکا ہوتا۔ اب آپ کو تو پتا ہی ہے کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے، سب سے پہلے بڑے صاحب کا نام آتا ہے۔ ساتویں صاحب بولے بڑے صاحب کسی سے ڈرتے ہیں کیا جو آپ اس گروپ کو ڈھیل دے رہے ہیں۔ اب سب کی بہتری میں نشتر تو چلانا پڑتا ہے۔

بڑی دیر سے خاموش بڑے صاحب نے پوچھا یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ دوسرے صاحب نے جواب دیا جناب

یہ Accountability مانگتے ہیں اپنے دیے گئے پیسے، وقت اور ہمیں دی گئی سہولیات اور اختیارات کی۔ تیسرے صاحب نے کہا اب آپ خود ہی بتائیں کہ کیا ہماری کتابوں میں نہیں لکھا کہ گر کوئی چندے کے پیسے کے بارے میں سوال کرے تو وہ منافق ہوگا اور اُس کا ایمان بھی کمزور ہوگا۔ اس شرعی لحاظ سے انکا ایمان بھی کمزور ہے اور یہ منافق بھی ہیں۔ چوتھے صاحب نے کہا جناب بات یہاں ہی ختم ہو جاتی ہے اب اگلی باتیں ان منافقوں کی کیا سنیں!

پانچویں صاحب بولے ان کا منہ سینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ نہ مقاطعوں سے ڈرے اور نہ ہی ہمارے بندوق بردار جوانوں سے۔ پھر اِنکو کہا گیا خط لکھ دو اور اُس میں سب بیان کر کے اپنے ضمیر کے فرض سے آزاد ہو جاؤ۔ چھٹے صاحب نے کہا جناب پتا ہے انھوں نے کیا کہا، اِنھوں نے کہا کہ خط لکھنے سے مسئلے حل ہو سکتے تو آج یہ مسئلے ہوتے ہی نہ، تم لوگ کاغذی کارروائی کر کے ہمیں صرف بہلاتے ہو۔ اب تو یہ لوگ چندہ بھی نہیں دے رہے۔ چندے کا سن کر بڑے صاحب کے چہرے کے تاثرات بدل گئے، اور انھوں نے کہا پھر انھیں جماعت سے باہر کر دو اور ان کی جائداد پر قبضہ کرلو۔

آٹھویں صاحب جو کافی دیر سے چپ بیٹھے تھے بولے: جناب ہم نے بھی ہمیشہ کی طرح یہی کرنے کا منصوبہ بنایا تھا مگر یہ کمبخت کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا گیا تو ملکی عدالت میں جا کر آپ سے اپنی زمین کی ادا شدہ قیمت مانگیں گے اور فیصلہ ہونے تک Stay Order لے آئیں گے۔ اب آپ بتائیں: اگر واقعی یہ ایسا کر گزرتے تو ہماری عزت، رعب و دبدبہ تو مٹی میں مل جاتا، ناں جی۔ بڑی تگ و دو سے ان سے وعدے وعید کر کے انھیں قسمیں دے کر راضی کیا کہ آپ نے غلط سنا ہے، ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے اور آپ تو ہمارے بھائی بہن ہیں۔ بزرگ ہیں، میرے ہوتے ہوئے کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ تو پسینے چھوٹ گئے تھے میرے جناب۔ اب تو اپنے بندوق برداروں کو بھی انکے گھروں کے سامنے کھڑا ہونے سے منع کر دیا ہوا ہے، ہم نے۔ دوسرے صاحب نے لقمہ لگایا۔ بڑے صاحب نے پوچھا وہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، اسکی وجہ کیا ہے، گھر گھر میں ٹی وی ہونے کے باوجود، اتنی کتابوں رسالوں کے باوجود اُنکا ایمان اتنا کمزور کیسے ہوگیا؟

اب نویں صاحب نے جواب دیا جناب ہم ہمیشہ سے اس بستی میں اپنی مرضی کرتے چلے آئے ہیں، کسی نے کبھی آنکھ آٹھانے کی جرات نہیں کی، مگر جب سے انٹرنیٹ آیا ہے، تب سے مخالفین کی باتیں سن کر یہ لوگ بہک جاتے ہیں اور اپنے انسانی حقوق کی بازیابی کی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر جن لوگوں کے رشتہ دار بیرون ممالک میں رہتے ہیں وہ بھی وہاں کے ملکی اداروں کا اپنے شہریوں کے ساتھ بہترین حسنِ سلوک دیکھ کر یہ مطالبات اِن تک پہنچاتے ہیں۔ پھر موبائل موجود ہے اور ملکی اخبارات اور ٹی وی بھی انصاف اور انسانیت کی کافی آگاہی دیتے رہتے ہیں۔ کس کس چیز کو بند کریں، ابھی فیس بک کو بین کیا ہے تو شور مچ گیا ہے، کدھر کدھر سے منہ کی کھائیں۔ اب تو مذہبی نفرت اور خط کے نام پر بھی یہ افراد نہیں بہلتے۔ فیس بک سے یاد آیا کل تصویریں بڑی زبردست آپ نے Up Load کی تھیں۔ پہلے صاحب نے دوسرے صاحب کے کان میں سرگوشی کی۔

بڑے صاحب بولے اچھا تو پھر کچھ دن کے لیے اپنے اختیارات کا استعمال کم کر دو اور چندوں کا کوئی عمومی سا

حساب ان کے سامنے رکھ دو۔

پہلے صاحب بولے: جناب بڑے سیانے ہیں یہ لوگ، سیدھا اختیارات کی اساس، حدود و قیود اور اُسکا ریفرنس مانگتے ہیں اور وہ بھی لکھائی کی صورت میں، اور ان میں سے کچھ تو ہماری کتابوں کو گھاس بھی نہیں ڈالتے۔ چندوں کا تفصیلی حساب کتاب مانگتے ہیں۔ پہلے تو ہم یہی کہ دیتے تھے کہ فلاں عمارت بنی، فلاں جگہ یہ کام کیا۔ وہ کام کیا، مگر اب تو یہ بات ہی بجٹ شیٹ سے شروع کرتے ہیں۔ ان چندوں سے دیے گئے قرضوں اور بڑے قرض داروں کے متعلق بات کرتے ہیں۔ مستقل حل مانگتے ہیں یہ ظالم کے بچے!

بڑے صاحب بولے یہ تو انتہائی تشویشناک اور خطرناک بات ہے، اس طرح تو ایک صدی کے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ اب اسکا کیا حل ہوسکتا ہے؟

جناب جب نظام ہمیں اتنا کچھ دیتا ہے تو پھر ہم بھی نظام کے لیے بہت کچھ کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس معاملہ میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور وہ یہ کہ اس گروپ کو کہا ہے کہ وہ اپنا کوئی ایک لیڈر مقرر کرلے، تا کہ اُس سے بیٹھ کر آرام و اطمینان سے بات چیت کی جاسکے اور مسائل کا حل نکالا جا سکے۔ جب لیڈر مقرر ہو گیا تو اُس کو کہا کہ فلاں فلاں صاحب سے آپ کی ان معاملات پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر آپ سننا چاہیں تو ہمارے پاس ٹیپ موجود ہے۔ جناب اب بس اُن کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے لیے آخری وار کرنا ہے، اور اِن عقل بند لوگوں نے کوئی بھی دوسرا، تیسرا، چوتھا لیڈر مقرر ہی نہیں کیا ہے۔ یہ بے چارے سیدھے سادھے سے لوگ ہیں، سیاست کس کو کہتے ہیں، یہ کیا جانیں اور چلے ہیں، نظام سے ٹکرانے!

بڑے صاحب بولے واہ، جناب! آپ تو نظام کے تحفظ کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کیے ہوئے ہیں، بتایئے اب آگے کیا کرنا ہے۔

نوویں صاحب نے کہنا شروع کیا کہ تنظیم کو بھی اسی سلسلہ میں خاص طور پر یہ ٹاسک دیا گیا ہے، جونہی اُن میں آپس میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگیں گے، ہم اُنکے لیڈر کو راستے سے ہٹا دیں گے۔ بڑے صاحب بولے: بہت عمدہ، آپ ہی وہ لوگ ہیں جو علم و ہنر میں کمال حاصل رکھتے ہیں۔

آٹھویں صاحب نے کہا چونکہ یہ معاملہ ملکی قوانین کی زد میں آجائے گا اس لیے ہم نے پہلے ہی ہوم ورک کر رکھا ہے اور فہرستیں تیار کرلی ہیں کہ کہاں کہاں، کس کس سے، کیسے بات کرکے اس معاملہ کو رفع دفع کرنا ہے اور افراد کے سامنے دیے جانے والے بیانات کا مسودہ بھی تیار کیا جاچکا ہے۔ اپنے لیڈر کی موت دیکھ کر یہ سب خود ہی بکھر جائیں گے اور دوبارہ کچھ عرصے تک سکوت طاری ہو جائے گا۔

بڑے صاحب بولے میڈیا کا دور ہے احتیاط سے کام مکمل ہونا چاہیے۔ ہمیں مقتول کی بجائے قاتل نہیں نظر آنا چاہیے۔ نظام قطعاً یہ برداشت نہیں کرے گا۔

پانچویں صاحب نے جواب دیا: جناب! میڈیا تک بات پہنچے گی ہی نہیں۔ البتہ انٹرنیٹ کی ضمانت دینا ممکن نہیں ہے۔ اب تا نٹرنیٹ کمپنیوں میں اپنے بندے بٹھائیں، مگر پھر انٹرنیٹ موبائل میں بھی تو موجود ہے، کہاں کہاں پر روک پائیں گے۔ البتہ اس معاملہ میں مزید احتیاط کے طور پر ہم اپنی بستی کے لوگوں کا استعمال بھی نہیں کریں گے۔ کوشش کریں گے کہ اُس کے ہی کسی دشمن کو اُس کے خلاف مزید بھڑکا دیں اور پھر اُس تک پہنچنے کے لیے محفوظ راستہ دے دیں۔

دوسرے صاحب نے کہا: اگر اُس کا کوئی دشمن نہیں بھی ہے تو بنا دیں گے جناب۔ نہ نظام کا نام آئے گا اور نہ ہی ہم میں سے کسی کا، کیونکہ افراد کے سامنے ہم تو اُس شخص اور اُسکے گروپ سے ہمدردی کا اظہار کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ نظام نے بھی ابھی افراد کے سامنے اُن پر سخت ہاتھ نہیں ڈالا، صرف اُس سے رابطہ کرنے والوں کو منع کیا گیا ہے کہ اُس کے بہکاوے میں نہ آؤ۔ پہلے صاحب بولے: دنیا کے سامنے Love for All Hatered for None (سب سے محبت، نفرت کسی سے نہیں) پر عمل کر کے بھی تو دکھانا ہوتا ہے جناب۔

اُدھر گدھوں کی ملاقات بھی ختم ہونے کو تھی، وہ اپنا نیا شکار ڈھونڈ ھ چکے تھے اور سردار کے ساتھ مل کر حملہ کرنے کی تدابیر طے کی جا رہی تھیں۔

اِدھر بڑے صاحب نے کہا: ٹھیک ہے، جو بھی آپ نے سوچا ہے، درست ہے، جلد از جلد کام مکمل کر کے مجھے رپورٹ دیں۔ یہ کہہ کر بڑے صاحب ہال سے باہر نکل گئے اور دوسرے کمرے میں جا کر فون ملایا۔ دوسری طرف سے آواز کان میں پڑتے ہی بڑے احترام سے بولے: جناب میں نے خود سارے معاملے کا جائزہ لیا ہے اور تفصیلی رپورٹ دیکھی ہے، کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر کسی کی گرفت ہو سکے۔ ہمارے دوستوں کو اپنے افعال سرانجام دینے میں مشکل پیش آ رہی ہے، یہ گروپ اُن سے اختیارات کے بارے میں پوچھتا ہے اور چندوں کا حساب مانگتا ہے۔ اب اگر صوابدیدی اختیارات نہ ہوں اور میرٹ پر فیصلے کریں تو پھر نظام کیسے چلے گا۔ اس لیے جو فیصلہ آپ نے کیا تھا، اُسی کو نافذ کرنے کی بات آج میٹنگ میں ہوئی ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جائیں، جلد ہی کام مکمل ہو جائے گا۔ ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کے ملک میں بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کا شور ڈال رکھا ہے۔ میں اِن سے نمٹتا ہوں آپ اُن کی سرکوبی کریں۔

یہ بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب تھی۔ جب ایک اڈھیر عمر آدمی افراد کے واسطے حقوق کی التجائیں کرنے کے بعد سونے جا رہا تھا۔ اچانک اُسے محسوس ہوا کہ گھر میں کوئی ہے۔ پھر اُس نے سوچا کہ شائد بھلیکھا لگا ہے۔ بہرحال حسبِ عادت اُس نے ٹیپ پر نظم لگائی۔

اے حُبِ احمد کے دعوے دارو
ذرا عینکِ جہل تو اُتارو

اچانک ہی اُسکا بھلیکھا اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اُس سے کچھ بات کی گئی مگر اُس کا سر نفی میں ہلا۔ ساتھ ہی کچھ ہاتھ ہلے اور ڈنڈے سوٹے اُس پر برس پڑے۔ پیچھے نظم کی آواز گونج رہی تھی

یہ سیاہیوں کا دخان کیسا
یہ توڑا پھوڑی کا کام کیسا

اتنی ادھیڑ عمری کے باوجود وہ مزاحمت کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اُسے ہر بار زیادہ لاٹھیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پھر ہر بار وہ نفی میں ہی سر ہلا دیتا تھا۔ یعنی وہ لا کہ رہا تھا، وہی لا کہ جس سے لا الہ الا اللہ اور بصیرت والوں کے لیے محمد رسول اللہ بنتا ہے تا کہ کلمہ نصیب ہو سکے۔ نظم کا مصرع پھر گونجا

یہ نفرتوں کا طوفان کیسا
اے حُبِ احمد کے دعویدارو
ذرا عینکِ جہل تو اُتارو

حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا جب اُسکا سر ہلنے کے قابل ہی نہ رہا۔ مگر وہ یہ سر جھکا نہ سکے تھے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

دورِ باطل میں حق پرستوں کی
بات رہتی ہے سر نہیں رہتے

اگلے روز افراد اُسکے گھر پہنچے تو سب ماجرا دیکھا۔ موقع کی تاک میں بیٹھے بندوق بردار فوراً ہی آن موجود ہوئے۔ نعش قبضے میں لے لی گئی، اور ایک ایک لاٹھی کی رپورٹ اوپر دی گئی، ساتھ ہی اگلی ہدایات طلب کر لی گئیں۔

نظام کے لیے یہ دباؤ ڈالنے کا بہترین وقت تھا۔ اُسکے گروپ کے افراد سے رابطے کیے گئے، کچھ سے کروائے گئے۔ پہلے اپنی جانب سے صفائی پیش کی گئی، پھر کسی کو ڈرایا دھمکایا گیا، کسی کو منایا گیا، لالچ دیے گئے، اُس کا عبرت ناک انجام سنایا گیا۔ اُس کے غمزدہ گھرانے کو ملکی قانون کو نظام کی مرضی کا بیان نہ دینے کی صورت میں بستی بدر کر دینے کی دھمکی دی گئی، حتیٰ کہ رشتے ناطے چھڑوانے تک کا کہہ دیا گیا، کچھ رشتہ داروں کو اس کام کے لیے پہلے ہی ذہنی طور پر تیار کیا جا چکا تھا اس سے مزید آسانی ہوگئی۔ اُن کو سمجھایا گیا کہ مرنے والا تو مر گیا اپنی عمر پوری کر گیا، کیا تم اُس کی پیروی کرو گے، اچھا ہوا تم پر بوجھ نہیں پڑا کہ اپنے پیروں پر چلتا چلتا ہی گذر گیا۔ اس طرح سے جو پیسہ بچا ہے، اس میں سے کچھ چندے میں دینا نہ بھولنا، ثواب ملے گا مقتول کی روح کو!

اُدھر گِدھوں کی ٹولی بھی اپنے شکار کے گرد منڈلا رہی تھی۔ شکار نڈھال تھا مگر ابھی بھی قابو میں نہ آ رہا تھا۔ آخر کار شکار تھک ہار کر گر گیا اور گِدھوں کو کامیابی مل گئی۔ وہ اُس کی جانب لپکے اور ادھ موئے شکار کی بوٹیاں نوچنی شروع کر دیں۔ اُدھر گِدھ کامیاب ہوئے، اِدھر نظام کی یک چشمی بصارت نے پھر ایک دفعہ جیت دیکھی، مگر یہ تو افراد ہی جانتے ہیں کہ نظام کی حسبِ ریت جیت ہوئی یا ہار۔ اس واقعہ کے شعلوں نے حق کی چنگاریوں سے کس کس دل کو سلگا دیا ہے اور کب اُن سے انصاف اور روشنی تخلیق ہوگی اِس غیب کا علم کسی کے انسان کے پاس کہاں!!

(بشکریہ: احمد آرگ ڈاٹ کام)